رسائل و مسائل

ترجمۂ تفہیم القرآن کے ایک مقام کی توضیح

جناب ملک غلام علی صاحب

سوال: - میں آپ کی توجہ تفہیم القرآن کے ترجمے میں ایک تسامح کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ سورہ بقرہ - آیت ۱۲۶ میں مولانا مودودیؒ نے رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا ..... کا ترجمہ کیا ہے۔ "اس شہر کو امن کا شہر بنا" مولانا عبدالماجد دریابادی نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے "اس جگہ کو امن والا شہر بنا"۔ کیونکہ جس وقت حضرت اسماعیل کو وہاں آباد کیا گیا اور جس وقت بنائے کعبہ تیار کی گئی، اس وقت وہاں صرف چند جھونپڑیاں اور چند سکونتی جگہیں تھیں۔ اس حالت میں اسے شہر کہنا صحیح نہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا منشاء بھی یہی تھا کہ اے پاک پروردگار، اس وادیٔ غیر ذی زرع کو، اس دشت کعبہ کو ایک پُرامن اور بارونق شہر میں تبدیل کر دے۔ چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی۔ دونوں حضرات یعنی مودودی و ماجدی نے شاید یوں سمجھ لیا ہے کہ هٰذَا بَلَدًا ایک ہی مفعول ہے حالانکہ هٰذَا کے بعد کاما (،) ہے اور اشارہ اس وقت کے مکہ معظمہ کے محل وقوع کی طرف ہے، یعنی اس موقع کو۔ پھر عرض کیا بَلَدًا اٰمِنًا (امن والا شہر) بنا۔ از روئے عربیت بھی تو یہ غلط ہے کیونکہ ہذا معرفہ ہے اور بلداً نکرہ ہے۔ کیا آپ کو ہماری رائے سے اتفاق ہے؟

جواب: - آپ کا نوازش نامہ ملا۔ میں نے اس کے ساتھ تفہیم القرآن کا ترجمہ پڑھا اور دونوں پر غور کیا۔ میری سمجھ میں جو کچھ آیا وہ یہ ہے کہ دونوں ترجمے صحیح ہیں اور تفہیم اور تفسیر ماجدی کے ترجمے پر جو اعتراضات اشکالات آپ نے وارد فرمائے ہیں وہ کچھ زیادہ جاندار نہیں ہیں۔ آپ کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"اے پروردگار، اس (قطعۂ زمین وادی غیر ذی زرع دشت کعبہ) کو ایک آباد شہر بنا دے جس میں

امن و امان قائم رہے"۔

مولانا مودودی کا ترجمہ ہے۔

"اس شہر کو امن کا شہر بنا"

مولانا دریابادی کا ترجمہ ہے۔

"اس شہر کو امن والا بنا"

میرے نزدیک تو یہ سارے ترجمے صحیح ہیں۔ آپ کا اعتراض یہ ہے کہ جس وقت حضرت اسماعیلؑ کو وہاں آباد کیا گیا اور بنائے کعبہ تیار کی گئی اس وقت وہاں صرف چند جھونپڑیاں اور چند سکونتی جگہیں تھیں، اس حالت میں اسے شہر کہنا صحیح نہیں۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ "دونوں حضرات نے شاید یوں سمجھا ہے کہ ہذا بلدًا ایک ہی مفعول ہے، حالانکہ ہذا کا اشارہ بلد کی طرف نہیں بلکہ صرف اس وقت کے مکۂ معظمہ کے محل وقوع کی طرف ہے اور از روئے عربیت بھی تو یہ غلط ہے کیونکہ ہذا معرفہ ہے اور بلد نکرہ"۔ لیکن میری دانست میں آپ کا سارا اعتراض و استدلال محض نزاعِ لفظی کی قبیل سے ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا منشا اگر یہ سمجھا جائے کہ وہ اس قطعۂ ارضی کے حق میں دعا مانگ رہے تھے جو حرم مکہ پر مشتمل ہے یا اس کا مدعا و مآل خیال کیا جائے کہ وہ اس آبادی یا بستی کے لئے دعا کر رہے تھے جو اس وقت کے بشری نفوس پر بھی حاوی و شامل تھی جو دعا کے وقت وہاں مکین تھے یا آئندہ چل کر وہاں آباد ہوں گے، ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ ان میں سے کوئی ایک یا دونوں ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ اس وقت کی آبادی کو بھی بلد یا شہر کہا جا سکتا ہے اور اس محل وقوع یعنی بلد حرام کی آئندہ ہونے والی آبادی پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

یہ امر سیاق کلام ہی سے ثابت و ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا اس وقت نہیں مانگی جب کہ وہ حکم ربانی کی تعمیل میں حضرت ہاجرہ اور ان کے نومولود صاحبزادے کو بیابان میں اللہ کے حوالے کر کے جا رہے تھے بلکہ یہ اس وقت کی دعا ہے جبکہ ذبح عظیم کے آزمائشی مراحل میں سے گزر کر حضرت اسماعیلؑ جواں سال ہو چکے تھے اور باپ بیٹے ایک دوسرے حکم الٰہی کے تحت بیت اللہ کی تعمیر کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ اس وقت قبیلۂ جرہم یہاں آباد ہو چکا تھا جس میں حضرت اسمٰعیل متاہل ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم وقتاً فوقتاً ان سے ملاقات اور پرسش احوال کے لئے تشریف لاتے تھے اس کا ذکر صحیح احادیث میں ہے۔

اس لئے ضروری نہیں کہ حضرت اسمٰعیل کے ایام طفولیت سے لے کر تعمیر کعبہ کے مرحلے تک وہاں کی آبادی چند جھونپڑیوں ہی تک محدود ہو۔ اگر ہو بھی، تب بھی اس موجود یا آئندہ متوقع آبادی کو بلد یا شہر کہہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

لغوی ترکیب کے لحاظ سے بھی ضروری نہیں کہ دعا میں ہذا کا مشارٌ الیہ بلد نہ ہو، بلکہ لازماً کوئی دوسرا محذوف و معہود لفظ مثلاً قطعہ یا بقعہ ہو۔ یہاں بلد یا البلد کا لفظ بھی مشار الیہ ہو سکتا ہے اور وہ نکرہ بھی ہو سکتا ہے، نکرہ ہوگا تو برائے تفخیم و تعظیم ہوگا، ورنہ مراد حرم مکہ کا متعین رقبہ ہے اور معرفہ ہوگا تو بھی ظاہر ہے کہ مراد البلد الحرام ہی ہوگا۔ آپ کو غالباً یاد نہ رہا کہ ایسی ہی دعا سورہ ابراہیم (۳۷) میں بھی مذکور ہے اور وہاں الفاظ ہیں رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا .... یہیں بوادٍ غیر ذی زرع کے الفاظ بھی وارد ہیں مفسرین میں سے بعض کا خیال ہے کہ یہ دوسری دعا ہے اور بعض کا خیال ہے کہ دونوں دعائیں تعمیر کعبہ ہی کے وقت کی ہیں۔ جبکہ حضرت اسمٰعیل ؑ جوان تھے اور حضرت اسحٰق ؑ بھی پیدا ہو چکے تھے بہرکیف جو صورت بھی ہو اس میں حضرت ابراہیم ؑ عرض کر رہے ہیں کہ "اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد کو اس بنجر وادی میں بسا دیا ہے" اور دعا طلب کر رہے ہیں کہ میرے رب، اس بلد (هذا البلد) کو امن والا شہر بنا یہاں آپ کے ان سارے اعتراضات کا کیا جواب ہوگا جو آپ نکرہ و معرفہ اور بلد اور البلد کو بنیاد بنا کر کر رہے ہیں؟ اگر کوئی جواب ہے تو وہی ہمارا جواب ان خردہ گیریوں کا ہوگا جو آپ دوسروں کے ترجمے پر کر رہے ہیں۔ یہاں نکرہ کے بجائے معرفہ استعمال ہوا ہے۔

آخر میں یہ بھی عرض کر دوں کہ بلد کا ترجمہ اردو میں شہر کے سوا کوئی بغیر چارہ نہیں۔ کیونکہ اردو زبان میں عربی جیسی وسعت نہیں، ورنہ لغت میں ہر خالی قطعہ زمین کو بلد کہہ سکتے ہیں خواہ اس میں انسان بستے ہوں، مردے دفن ہوا، یا چرند، پرند یا وحشی جانور پائے جاتے ہوں۔ قاموس میں البلد کے معنی ہیں۔

کل قطعة مستحيزة عامرة او غامرة و التراب و القبر و المقبرة و الدار و الاثر و ادحى النعام"

(ہر قطعۂ زمین جس کے حدود معین ہوں وہ بلد ہے خواہ آباد ہو یا اجاڑ ہو، چٹیل ہو، مقبرہ ہو، گھر ہوں یا کھنڈر یا چوپایوں کا مسکن ہو)

تقریباً یہی معانی تاج العروس میں درج ہیں۔ امام راغب مفردات القرآن میں فرماتے ہیں۔

البلد = المکان المختط المحدود المانس باجتماع قطانہ ...... وسمیت

المفازۃ بلداً لکونہا موطن الوحشیان والمقبرۃ بلدا لکونہا موطناً للاموات ....

(یہ قریب قریب وہی مضمون و مفہوم مذکورہ بالا ہے جو دوسرے الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے)

قرآن مجید کے تین مقامات (الفرقان۔ ۴۹، الزخرف ۱۱، قٓ۔ ۱۱) میں بارش کے ذریعے سے بلدۃً

میتاً کے زندہ کیے جانے کا ذکر ہے۔ یہاں مردہ بستی سے مراد ایسی افتادہ زمین بھی ہو سکتی ہے جہاں کوئی

آبادی یا روئیدگی نہ ہو، اس سے لازماً مراد آباد جگہیں نہیں ہیں۔

بے پردگی اور اختلاطِ مرد و زن

سوال: ۔ یہ بات آج کل سوہانِ روح بنی ہوئی ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں اختلاطِ مرد و زن کی باقاعدہ ترویج کی مہم چل رہی ہے۔ اسلامی معاشرہ کی بنیاد ہی مرد اور عورت کے ایک خاص طرز تعلقات پر ہے۔ اگر اس کی نوعیت ہی کو بدل دیا جائے تو پھر اسلامی طرزِ زندگی اور اس کے جملہ متعلقات بدل کر رہ جائیں گے۔ یہ لوگ آخر کیوں مَنْ حَبَّ المحبوب حلت به النار امہ کے مصداق بن رہے ہیں

اس کو روکنے کی عملی تدبیر بھی ہو اور پُرزور علمی تحریک بھی۔ کتابوں اور پمفلٹوں، اخبارات، رسائل اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے کام ہونا چاہیے۔

جواب: ۔ (از نعیم صدیقی) ...... عورتوں کے مقام کے متعلق آپ کے خیالات و احساسات بالکل درست ہیں۔ دنیا میں قوموں کا بگاڑ دو شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایک دولت کے معاملے میں غلط رویّہ، دوسری عورت کا صحیح مقام متعین نہ کر سکنا۔ اور ان دونوں خرابیوں کی جڑ یہ ہوتی ہے کہ انسان کا تعلق خدا سے درست نہیں ہوتا۔ یعنی یا تو وہ اس کے وجود ہی کا منکر ہوتا ہے، یا اُسے مانتا ہے مگر زندگی کے مسائل سے بے تعلق مانتا ہے یا اس کی رہنمائی کو صرف عقیدوں، پوجا پاٹ اور چند جزوی اخلاقیات تک محدود سمجھتا ہے۔

ہمارے ہاں بھی جتنے بگاڑ ہیں وہ خدائی ہدایت سے انحراف کا نتیجہ ہیں۔ بے پردگی اور اختلاطِ صنفین

کا فروغ بھی اسی وجہ سے ہے۔ نہ تو جدید عورتوں نے کبھی سنجیدگی سے یہ جاننے کی کوشش کی کہ خدا اور رسولؐ کے احکام کیا ہیں، نہ اُن کے گھروں کے مردوں نے عائلی نظام کو چلاتے ہوئے قرآن و حدیث سے کبھی رہنمائی لی، اور نہ حکمرانوں نے ہی کبھی سنجیدگی و دلسوزی سے یہ سوچا کہ ترقی نسواں کی مغربی تہذیب ان کے دینی اصول و مقاصد سے ٹکراتی ہے۔

میرا تو خیال یہ ہے کہ مغرب کے مفکرین اور پروپیگنڈسٹ اور کلچرسٹ مسلمانوں کو اسلامی نظام سے محروم رکھنے کے لیے مسلمان عورتوں ہی کو استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ ایران میں عورتوں کی بے حجابی و ننگ لباسی میں ذرا کمی آئی تو مسلمانوں کے مغربی سرپرستوں کو بڑی تشویش ہوئی جس کا مظاہرہ بے باک خاتون رپورٹر اوریانا فلاسی نے کیا۔ افریقہ میں ایسے بھی علاقے ہیں جہاں کے تسلط یافتہ عیسائیوں نے یہ پابندی لگا رکھی ہے کہ کوئی لڑکی کسی اسکول میں سر پر دوپٹہ یا سکارف لے کر داخل نہیں ہو سکتی۔ سمرقند و بخارا میں روس نے جبراً خواتین کو گھر سے نکال کر پردے اتروائے، کیونکہ پردہ دار، خانہ نشین، قرآن سرا عورت کے ہوتے مسلم گھرانوں کے گہوارہ ہائے تربیت کو بدلا نہیں جا سکتا۔ لادین (اور برائے نام مسیحی) مغرب کا جہاں کہیں تہذیبی سحر طاری ہے، وہاں لٹریچر، پروپیگنڈے، ایڈ، مخلوط تعلیم اور ایک خاص رنگ کی زنانہ تنظیموں کے ذریعے عورتوں کے جدید طبقے کو دین سے دور ہٹا کر ایسے مقام پر پہنچا دیا ہے کہ وہ اور اُن کے عادات و اطوار اور اُن کی سرگرمیاں اور مشاغل اسلامی نظام کے قیام میں ایک مؤثر رکاوٹ بن سکتے ہیں۔ پہلے تو بات مخلوط تعلیم تک تھی، اب ہاکی اور کرکٹ کی زنانہ ٹیمیں وجود میں آ رہی ہیں جو ملک کے اندر ہی کرشمے نہیں دکھا سکیں گی، دوسرے ممالک میں جا کر بھی دوہرا سامانِ تفریح بنیں گی۔ اگلی منزل مقابلہ ہائے حسن کی شرکت کی ہے۔ پھر جنسی جذبات اور کھلے معاشقوں کا وہی طوفان یہاں اُٹھے گا اور وہی عائلی گندگی پھیلے گی جس کا ماتم مغرب کے سنجیدہ و متین مفکرین کرتے رہتے ہیں۔

یہ بات ہر شک و شبہ سے بالا ہے کہ گھر کی پناہ گاہ سے نکل آنے والی عورت نے پردے کو چھوڑ کر اس کی جگہ اپنے آپ کو جس طرح گراں قیمت لباسوں اور میک اپ کے سامانوں اور مخلوط ثقافتی تقریبوں اور ضیافتوں اور استقبالوں کے حوالے کر دیا ہے، ان کے بھاری مصارف کو پورا کرنے کے لئے نہ صرف یہ کہ وہ ملازمتوں کی کمائی کو خرچ کرتی ہیں بلکہ شوہروں کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ رشوت، خیانت اور ناجائز نفع اندوزی کے ذریعے قوم کا پیسہ نچوڑ نچوڑ کر لائیں اور ان کی شخصیت اور حسن اور وسیع روابط پر صرف کرتے رہیں۔ اس کے

نتیجے میں ہمارے ہاں بدعنوانیوں کا سیلاب چند ہی برس میں اس زور سے چڑھا ہے کہ پانی سروں سے اونچا ہو گیا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ مصیبت کہ اعلیٰ گھرانوں کی عورتیں ماڈلنگ، شوبزنس، ترنم اور رقص کے راستوں سے کمائی کرتی ہیں اور بعض کی پستی انہیں جنسی مریضوں کی خوابگاہوں تک لے جاتی ہے۔ یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر جب غریب طبقے کی لڑکیوں کا جی للچاتا ہے تو ان میں سے ایک تعداد تو مواقع ملنے پہ متذکرہ طریقوں کو اختیار کر لیتی ہے اور بقیہ اکثریت احساس کمتری میں گھٹتی اور گھلتی رہتی ہے۔ عورت بگاڑ مہم کو پہلے تو صرف فلموں کی محدود مدد ملی تھی اب ٹیلیویژن نے تو ہر کسر پوری کر دی ہے۔

حکومت کو سب سے بڑی فکر تو اپنی بقا کی ہوتی ہے خصوصاً ان حالات میں جن سے ہم دوچار ہیں۔ پھر مسائل و معاملات کا ایک ہجوم ہے جو ان کے چاروں طرف منڈلاتا رہتا ہے جن میں سے کچھ کا وہ ادھورا اور کچھ کا غلط حل نکالتے ہیں اور اس باعث ہر مسئلے کے بطن سے دس اور مسئلے جنم لیتے ہیں۔ ایسے میں آپ کے حکام کی نگاہیں اوّل تو بے پردگی اور مخلوط معاشرت کو کوئی خرابی ہوگی ہی نہیں، اور ہو بھی تو اتنی اہم نہیں کہ وہ کمر باندھ کے اس کے ازالے کے لئے نکل کھڑے ہوں۔ جو قوت قتل اور ڈاکے اور بدعنوانی اور بدکاری جیسے جرائم کی امڈتی لہر کو کم نہ کر سکے وہ بے پردگی اور مخلوط معاشرت کا کیا بگاڑ سکے گی۔!

اب تک کے تجربوں کی روشنی میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ اقامتِ دین کا کام کسی بھی دائرے اور شعبے میں ایک ایسی ٹیم کے بغیر ممکن نہیں ہے جو اس جذبۂ بے تاب کے ساتھ اقتدار پہ آئے کہ اسے ایسے منکرات کو نہیں چلنے دینا ہے جو اسلام کے روبعمل آنے میں مانع و مزاحم ہوں۔ ایسی انقلابی ٹیم یہ گوارا نہیں کرے گی کہ وہ کوئی حکم جاری کرے اور وہ چلے نہیں۔ وہ ایسے لوگوں کا زور توڑے گی جو احکام کے غیر مؤثر بنانے اور ان میں تحریف کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ ایسی ٹیم کو میدان میں آنے پہ جو اوّلین کام کرنے ہوں گے ان میں سے ایک یہ ہے کہ خواتین کے لئے الگ یونیورسٹیاں قائم کر کے مخلوط تعلیم کا خاتمہ کر دے اور پھر مخلوط مجالس اور تقاریب کا انسداد کرے اور پھر فرموں اور دفتروں اور گاڑیوں میں عورتوں کے لئے جداگانہ کمروں اور نشستوں کا انتظام کرائے۔ نیز عورت کو دکانوں، ہوٹلوں اور اشتہارات میں شکاریوں کے لاسے کے طور پہ استعمال کرنے کی ممانعت کر دے۔ اس کے بعد عورتوں کے لئے پردہ اختیار کرنا مشکل نہیں رہے گا۔ معمولی ترغیب و ترہیب کافی ہوگی۔

ایسے حالات پیدا ہونے تک ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا تو نہ قرینِ عقل ہے، نہ مطابق دین، وہ تم

لوگ جو اسلامی تہذیب میں عورت کے مقام کو جانتے ہیں اور جنہیں تسلیم ہے کہ خدا اور رسولؐ نے پردے کا حکم دیا ہے، اُن کی طرف سے حالات کی اصلاح کے لیے پہلا قدم یہ ہوگا کہ وہ اپنے گھروں میں اپنے زیر تربیت اور زیر کفالت بچیوں اور خواتین کو احکامِ حجاب سے آگاہ کریں۔ اور اُن کو پردے کا پابند بنائیں۔ جن کے ہاں پہلے سے پردہ ہے وہ مغربی تہذیب کی والہ و شیدا عورتوں کے پیدا کردہ ذہنی دباؤ کے تحت، پردے میں ایسے رخنے نہ پیدا کریں جن کی اجازت شریعت نے نہیں دی ہے۔ کیونکہ مزاحمت کشمکش کے دوران میں جو قدم پیچھے ہٹتا ہے، وہ پھر ہٹتا ہی چلا جاتا ہے۔ نظامِ اسلامی کے داعی یا دینی تحریک کے لیڈر بننے والوں کو تو نہایت چوکنا رہنا چاہیے کہ مخالفِ پردہ قوت کہیں اُن کے حرم خانوں میں چور دروازوں سے داخل نہ ہو جائے۔ ایسے لوگ اگر موجود ہوں تو وہ بے پردگی اور مخلوط معاشرت کے خلاف مؤثر کام کر سکتے ہیں۔ اُن کی تقریریں بھی نتیجہ خیز ہوں گی اور تحریریں بھی۔ جو لوگ اِدھر میں جا لٹکیں، اُن کے نہ مقالات سے کچھ بنے گا اور نہ خطبات سے۔ میں یہ دیکھ کر بڑا دکھ محسوس کرتا ہوں کہ بعض متیانِ دین کی نگاہ میں پردے کا مسئلہ کچھ زیادہ قابلِ توجہ نہیں رہا، جیسے ہو رہا ہے اور جیسے ہوتا جائے، وہ اطمینان سے رہتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس معاشرے میں سچے پردہ پسند گھرانوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے اور کام کرتی بھی رہی ہے مگر ان کی مقدار کارِ ضرورت سے کم ہے۔ ورنہ اگر ٹھیک کام کیا جائے تو جتنے واقعات پردہ ترک کرنے کے ہوتے ہیں۔ اُن سے زیادہ تعداد میں بے پردہ خواتین اور لڑکیاں پردہ اختیار بھی کرتی دکھائی دیں۔ اگر یک طرفہ ٹریفک مخالف سمت میں بڑھ جائے تو یہ حالت کام کرنے والوں کی ہمت و صلاحیت کی نفی کرتی ہے۔

علی الخصوص اسلام سے محبت کرنے والی خواتین اگر خود عورتوں کے حلقوں میں گھس کر پردے اور معاشرت کے اسلامی تقاضوں کی تبلیغ نہ کریں، اور ساتھ کے ساتھ بے پردگی اور مخلوط معاشرت کی تحریک کے خلاف مختلف اطراف سے مہم نہ چلائیں تو شاید محض مردوں کی صف کام کرنے کی رفتار کو زیادہ نہیں بڑھا سکتی — خدا کرے کہ یہاں بزرگ خواتین کی رہنمائی میں فہانت اور عزم رکھنے والی لڑکیوں کی ایسی ٹیمیں جا بجا متحرک ہو جائیں جو پاکستانی مسلم عورت کو مغربیت کے سیلاب میں ڈوبنے سے بچا سکیں۔ مجھے بہت زیادہ امید اُن نوجوان طالبات سے ہے جو اعلیٰ مدارج میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے مخلوط ماحول ہونے کے باوجود پورے شعور و ایمان کے ساتھ بڑی مضبوطی سے پردے کو اختیار کر رہی ہیں۔ یہ طالبات آگے چل کر وہ قوت

بن سکتی ہیں جو بے پردگی اور جدید معاشرت اور کلچر کے خلاف لڑ سکے۔ خدا کرے اُن کو موجودہ ماحول میں انقلابی انداز پہ کام کرنے کے لیے صحیح رہنمائی مل سکے۔ افسوس ہے کہ اب تک تو یہی نتیجہ سامنے آیا ہے کہ پردہ پسند عورتیں مؤثر کام نہیں کر سکتیں حتیٰ کہ وہ تخریب پردہ کی تحریک چلانے والی خواتین کی سرگرمیوں کے خلاف محاذ بھی نہیں بنا سکتیں۔

تحریری کام کے لحاظ سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مغفور نے پردے پر جو کتاب لکھی ہے۔ وہ ہر لحاظ سے ایک مکمل اور جامع کتاب ہے۔ اور جدید ذہن کو متاثر بھی کر سکتی ہے۔ علاوہ ازیں تفہیم القرآن میں بھی اس سلسلے کے مباحث موجود ہیں۔ پھر بھی یہ ضرورت مجھے تسلیم ہے کہ ایسا نیا لٹریچر تیار ہوتے رہنا چاہیے جسے پڑھ کر ایک خاتون یا لڑکی یہ محسوس کرلے کہ بے پردہ رہنا بھی ویسا ہی گناہ ہے جیسے چوری یا رشوت ستانی یا کوئی اور فعلِ حرام!

آپ نے جس گہرے جذبے سے اس "پیشِ نظر افتادہ" مسئلے کو چھیڑا ہے وہ قابلِ قدر ہے۔ خدا کرے اس کی برکت سے مجھ میں اور دوسرے خادمانِ دین میں، خصوصاً پابندِ شریعت خواتین میں اس خاص پہلو سے کام کرنے کا نیا عزم پیدا ہو جائے، پھر لٹریچر بھی از خود نمودار ہو گا، تقاریر بھی ہوں گی — اخباروں میں بھی لکھا جائے گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ کلمۂ حق ریڈیو اور ٹیلی وژن سے بھی بلند ہو۔

(ن ۔ ص)